سورۃ المعارج

آیاتہا ۴۴ ۔ ۷۰ سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ ۷۹ ۔ رکوعاتہا ۲

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے۔ اس کی چوالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ﴿۴﴾

"مطالبہ کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے یہ تیار ہے) کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ نافع اور ابن عامر نے سَالَ سائل پڑھا ہے(1) یعنی ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس وقت یہ سوال سے مشتق ہوگا۔ باء کے بارے میں جائز ہے کہ یہ زائدہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عن کے معنی میں ہو۔ سوال، دعا کے معنی میں ہوگا یعنی ایک دعوت دینے والے نے عذاب کو دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: دَعَا عَلٰی فُلَانٍ بِالْوَیْلِ دَعَا عَلَیْہِ بِالْعَذَابِ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوتُ زیدًا یعنی میں نے اس کے حاضر ہونے کی التماس کی۔ مراد ہوگا ایک التماس کرنے والے نے کافروں کے لئے عذاب کی التماس کی۔ قیامت کے روز لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر با زائدہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ (المومنون: ۲۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ ہُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ (مریم: ۲۵) یہ تاکید ہے یعنی ایک سائل نے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا۔

لِّلۡکٰفِرِیۡنَ، لام، علی کے معنی میں ہے۔ سوال کرنے والا النضر بن حارث تھا(2)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سوالوں کا یوں ذکر کیا: اللّٰہُمَّ اِنۡ کَانَ ہٰذَا ہُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿﴾ (الانفال) اس کا سوال پورا ہوا غزوہ بدر کے موقع پر اسے اور عقبہ بن ابی معیط کو انتقام میں قتل کیا گیا اس کے علاوہ کسی کو انتقام میں قتل نہیں کیا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سائل حارث بن نعمان فہری تھا اس کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 448
2۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 502

وجہ یہ بنی کہ جب اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی شیر خدا کے بارے میں یہ فرمان پہنچا: مَنْ کُنْتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ (1) وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا وہ آیا یہاں تک کہ اس نے اپنی سواری ابطح میں بٹھائی پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حکم دیا کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وانک رسول اللہ کی گواہی دیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی، ہم پانچ نمازیں پڑھیں تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات قبول کی، ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ دیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی ہر سال ہم رمضان شریف کے روزے رکھیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی، ہم حج کریں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد کو ہم پر فضیلت دی۔ کیا یہ ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے'' حارث مڑا وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگر وہ حق ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اللہ کی قسم! وہ اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک پتھر مارا جو اس کے دماغ کو لگا تو وہ اس کی دبر سے نکل گیا تو اسے قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ (☆) ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش کے کفار کی جماعت کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کافروں کے خلاف عذاب کا سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب کا مطالبہ کیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اسے کفار پر واقع کرے وہ لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ کلام اس ارشاد تک فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ تک ممتد ہے۔ یعنی جلدی نہ کیجئے عذاب بالکل قریب ہے جب باء، عن کے معنی میں ہو؛ یہ قتادہ کا قول ہے تو سائل یہ سوال کرتا ہے کہ عذاب کس کو واقع ہوگا یا کب واقع ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (الفرقان) اس آیت میں بھی باء، عن کے معنی میں ہے۔ علقمہ نے کہا:

فإن تسألوني بالنساء فإنني　　بصير بأدواء النساء طبيب (2)

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں پوچھو تو عورتوں کی بیماریوں کو جاننے والا طبیب ہوں۔

یہاں بھی بالنساء، عن النساء کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجنا نسأل عن فلان و بفلان یعنی باء اور عن دونوں صلے استعمال ہوتے ہیں۔ معنی ہوگا انہوں نے سوال کیا کس پر عذاب واقع ہوگا اور کس کے لئے واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِّلْكٰفِرِيْنَ کافروں پر یا کافروں کے لئے۔ ابوعلی اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ سوال سے مشتق ہو تو اس کی اصل یہ ہے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا، ایک مفعول پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ جب ان دونوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار ہو تو جائز ہوگا کہ حرف جار کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: سائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب علی بن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 213　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 364

☆ علامہ آلوسی فرماتے ہیں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فرمان غدیر خم میں واقع ہوا جو مدنی دور کے آخری سالوں میں ہوا جب کہ سورت مکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمانوں سے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا۔ جس نے اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے تو اس کے نزدیک دو توجیہیں ہوں گی (۱) یہ سوال کی لغت ہے، یہ قریش کی لغت ہے عرب کہتے ہی سال، یسال۔ جس طرح نال، ینال۔ خاف، یخاف ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ سیلان سے مشتق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات اس کی تائید کرتی ہے سال، سل۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: سال واد من أودية جهنم جسے سائل کہتے ہیں؛ یہ حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول زیادہ اچھا ہے جس طرح اعشیٰ ہمزہ کی تخفیف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سالتاني الطلاق إذ رأتاني قلّ مالي قد جئتماني بنُكْرِ

ان دونوں نے مجھ سے طلاق کا سوال کیا جب ان دونوں نے مجھے دیکھا کہ میرا مال کم ہو گیا ہے تحقیق تم دونوں میرے پاس عجیب وغریب بات لائے ہو۔

صحاح میں ہے اخفش نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے خرجنا نسأل عن فلان و بفلان بعض اوقات اس کے ہمزہ میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: سال یسال۔ کہا:

و مُرْهِقٍ سال إمتاعا بأصْدَته

محل استدلال سال ہے مرھق اسے کہتے ہیں جس کو قتل کرنے کے لئے پکڑ لیا گیا ہو۔ أُصد ضمہ کے ساتھ ہے ایسی چھوٹی قمیص جسے کپڑے کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے سال پڑھا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ہمزہ میں تخفیف کرے کہ اسے الف سے بدل دے یہ خلاف قیاس بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الف واؤ سے بدلا ہوا ہو؛ یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو یہ کہے: سلت اسال، جس طرح خفت، أخاف ہے۔ نحاس نے کہا: سیبویہ نے سلت أسال حکایت کیا ہے جس طرح خفت أخاف ہے یہ سالت کے معنی میں ہے یہ شعر پڑھا:

سالَتْ هُذَيْلٌ رسولَ الله فاحشةً ضَلَّتْ هذيلٌ بما سالتْ و لم تُصِبِ (1)

ہذیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فحش سوال کیا ہذیل سوال کے باعث گمراہ ہو گیا اس نے صحیح راہ نہ پائی۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ دونوں برابر ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ یاء سے بدلا ہوا ہو یہ سال، یسیل سے مشتق ہے تو سایل جہنم میں ایک وادی ہوئی۔ پہلے قول کے مطابق سائل کا ہمزہ اصلی ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق واؤ کا بدل ہوگا اور تیسرے قول کے مطابق یاء کا بدل ہوگا۔ قشیری نے کہا: سائل مہموز ہے کیونکہ جب یہ ہمزہ کے ساتھ ہو تو یہ مہموز ہوگا اگر ہمزہ کے ساتھ نہ ہو تو بھی مہموز ہی ہوگا جس طرح قائل اور خائف ہے کیونکہ جب فعل کے عین کلمہ میں اعلال کا قاعدہ جاری ہو تو اسم فاعل میں بھی اعلال کا قاعدہ جاری ہوتا ہے التباس کے خوف سے حذف کے ساتھ اعلال جاری نہیں ہوگا تو اسے ہمزہ کے ساتھ بدل دیا جائے گا تیرے لئے یہ جائز ہے کہ تو ہمزہ میں تخفیف کرے یہاں تک کہ وہ بین بین ہو جائے۔

وَّاقِعٍ وہ عذاب کفار پر واقع ہوگا۔ یہ امر واضح کیا کہ یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا جو معارج والا ہے۔ حضرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 364

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۝ پوچھا: کس کے لیے؟ فرمایا: کافروں کے لیے (1)۔ کافرین میں جو لام ہے یہ وَّاقِعٍ کے متعلق ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے بعذاب للکافرین واقع اس اعتبار سے واقع، عذاب کی صفت ہوگی۔ لام عذاب کے لیے داخل ہوا واقع کے لیے داخل نہیں ہوا؛ یعنی یہ عذاب آخرت میں کافروں کے لیے ہے۔ کوئی بھی ان سے اس عذاب کو دور نہیں کر سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام، علی کے معنی میں ہے۔ معنی ہے کافروں پر واقع ہوگا۔ روایت بیان کی گئی ہے حضرت اُبی کی قرأت میں یہ اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عن کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کافروں سے اس عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو معارج والا ہے۔ جو علو، فاضل درجات والا اور نعمتوں والا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ معارج سے مراد مخلوق کے اوپر اس کے انعام کے مراتب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عظمت و علا والا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد آسمان کے معارج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ملائکہ کے معارج ہیں کیونکہ ملائکہ آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں تو اپنی صفت اس سے بیان کی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معارج سے مراد بالا خانے ہیں یعنی وہ بالا خانوں کا مالک ہے یعنی اس نے اپنے اولیاء کے لیے جنت میں بالا خانے بنائے ہیں۔ عبد اللہ نے ذی المعاریج پڑھا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے: مَعْرَج، مِعْرَاج، معارج اور معاریج۔ جس طرح مفتاح اور مفاتیح ہے۔ معارج سے مراد درجات ہیں اسی سے مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ۝ (زخرف) ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ وہ معارج میں بلند ہوتے ہیں (3) جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بنائے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے اصحاب، سلمی اور کسائی نے یعرج قرأت کی ہے ارادہ جمع کا کیا ہے کیونکہ ان کا قول ہے ملائکہ کو مذکر ذکر کرو، انہیں مونث نہ گردانو۔ باقی قراء نے جماعت کا ارادہ کرتے ہوئے تاء کے ساتھ قرأت کی ہے۔ الروح سے مراد حضرت جبرائیل امین ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک فرشتہ ہے جو بہت ہی عظیم مخلوق ہے۔ ابو صالح نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، لوگوں کی شکل و صورت پر ہے مگر وہ انسان نہیں۔ قبیصہ بن زویب نے کہا: یہ میت کی روح ہے جب اسے قبض کیا جائے۔

اِلَيْهِ اس مکان کی طرف جو ان کا محل ہے، وہ آسمان میں ہے کیونکہ وہ اس کی نیکی اور کرامت کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرح ہے اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (الصافات: 99) یعنی اس جگہ کی طرف جانے والا ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَيْهِ کی ضمیر سے مراد اس کا عرش ہے۔

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۝ وہب، کلبی اور محمد بن اسحاق نے کہا: ملائکہ کا عروج اس مکان کی طرف ہوگا جو ان کا محل ہے۔ اتنے وقت میں ہوگا کہ اگر کوئی اور اوپر چڑھے تو اس کو ایک ہزار سال کا عرصہ لگتا۔ وہب نے یہ بھی کہا: زمین کے پست ترین حصہ سے عرش تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس آیت اور سورۂ سجدہ کی آیت

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 449 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 90 4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 449

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ:5) میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کی پست ترین جگہ سے اس کے امر کی انتہا اور آسمانوں سے اوپر اس کے امر کی انتہا میں پچاس ہزار سال کا عرصہ حائل ہے اور الٓمّٓ ۚ تَنْزِیْلُ میں فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کا نزول آسمان دنیا سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے۔ وہ مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

مجاہد، حکم اور عکرمہ سے مروی ہے: یہ دنیا کی عمر کی مدت ہے جب سے اسے پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر جب تک یہ باقی رہے گی وہ پچاس ہزار سال ہیں (1)۔ کوئی نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ گزر چکا ہے اور کتنا باقی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے یعنی جس میں وہ فیصلہ فرمائے گا۔ اگر مخلوق اس کی ذمہ دار ہوتی تو پچاس ہزار سال لگ جاتے؛ یہ قول عکرمہ، کلبی اور محمد بن کعب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں اسی ساعت فارغ ہو جاتا ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے لیکن یوم قیامت ختم نہ ہوگا (2)۔ مراد حساب کے لیے ان کا کھڑا ہونا ہے۔ وہ دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر جنتی اور جہنمی اپنے اپنے ٹھکانوں میں قرار پا جائیں گے۔ یمان نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے (3)۔ اس میں پچاس موطن ہیں۔ ہر موطن ہزار سال کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد یوم قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اسے پچاس ہزار سال کے برابر کر دیا ہے، پھر انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تعبیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری سے بیان کیا ہے (4)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے''۔ میں نے پوچھا: یہ کتنا لمبا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ دن مومن پر خفیف ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جتنے وقت میں وہ فرض نماز پڑھا کرتا تھا اس سے زیادہ خفیف ہوگا''۔ نحاس نے اس قول کی صحت پر اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سہیل نے اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ''ہر وہ شخص جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی اللہ تعالیٰ اسے جہنم کا سانپ بنا دے گا جس کے ساتھ اس کی پیشانی، اس کی پشت اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا'' (5)۔ کہا: یہ اس امر پر دال ہے کہ مراد یوم قیامت ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: مومن کے اوپر یہ دن اتنا ہی طویل ہوگا جس قدر ظہر اور عصر کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ اتنے وقت میں کرے گا جتنا وقت دو نمازوں کے درمیان ہوتا ہے'' (6)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سَرِیْعُ الْحِسَابِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 90	2۔ ایضاً	3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91	5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 365	6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91

(البقرہ) اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾ (الانعام) رکھا ہے؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ فراغت نصف دن میں ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾ (الفرقان) یہ مخلوقات کے فہم کے حساب سے ہے ورنہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کو کسی کام سے غافل نہیں کرتا جس طرح وہ ایک ساعت میں رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں حساب بھی کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اس آیت کے بارے میں اور فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ) کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ ایسے دن ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کا نام رکھا ہے وہ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات کروں جن کے بارے میں آگاہ نہ ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ بطور تمثیل کے ہیں۔ یہ میدان محشر میں مدت کے لمبا ہونے کی پہچان کرائی گئی ہے جو انسان وہاں مشکلات پائے گا۔ عرب شدت کے ایام کی صفت طول سے بیان کرتے اور خوشی کے دنوں کی صفت قصر سے بیان کرتے۔ شاعر نے کہا:

ویومٍ کظلِّ الرُّمحِ قَصَّرَ طولَه دمُ الزِّقِ عنّا واصطفاق المزاهر

کتنے ہی دن ہیں جو نیزے کے سایہ کی طرح ہیں شراب اور بربط کے تاروں کے ہلنے نے ہم پر اسکی طوالت کو مختصر کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا تھا، اس کو روکنے والا کوئی نہیں (1)، وہ ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں؛ یہی وہ قول ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىهُ قَرِیْبًا ﴿۷﴾

''ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں''۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم جو آپ کو اذیتیں دے رہی ہے اس پر صبر کیجئے۔ صبر جمیل سے مراد یہ ہے ایسا صبر جس میں جزع نہ ہو اور نہ ہی غیر اللہ کے ہاں شکوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم میں مصیبت والا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ﴿۶﴾ مراد اہل مکہ ہیں۔ وہ جہنم کے عذاب کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی وہ ہوگا ہی نہیں۔ وَّ نَرٰىهُ قَرِیْبًا ﴿۷﴾ کیونکہ جو عذاب واقع ہونے والا ہوتا ہے وہ قریب ہی ہوتا ہے (2)۔ اعمش نے کہا: وہ بعث کو بعید خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ گویا وہ اسے محال ہونے کے اعتبار سے بعید خیال کرتے ہیں جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس سے بحث کرتا ہے: ھذا بعیدٌ لا یکون۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس دن کو بعید خیال کرتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں کیونکہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450 2۔ ایضاً

رویۃ، موجود کے متعلق ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: الشافعی یری فی هذه المسئلة كذا و كذا۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝

''اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا''۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ یوم میں عامل واقع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یقع بھم العذاب یوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عامل نُرِيهُ یا يُبَصَّرُونَهُمْ ہے یا قریب سے بدل ہوگا۔ مھل سے مراد تیل کی تلچھٹ ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسروں کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سیسہ، تانبا یا چاندی میں سے جسے پگھلایا گیا ہو(2)۔ مجاہد نے کہا: كَالْمُهْلِ سے مراد خالص پیپ ہے جو خون اور لہو سے ملی پیپ سے بنی ہو۔ سورۂ دخان اور سورۂ کہف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ پہاڑ ہو جائیں گے رنگی ہوئی اون کی طرح۔ اون کو عھن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگی ہوئی ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: پہاڑ سرخ اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ اونوں میں سے کمزور ترین اون ہوتی ہے۔ اسی معنی میں زہیر کا قول ہے:

كأن فُتات العهن فی كل منزل

فتات کا معنی ٹکڑے۔ العھن سے مراد سرخ اون۔ اس کی واحد عھنہ ہے، گویا سرخ اون کے ٹکڑے ہر جگہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: العھن سے مراد رنگ دار اون ہے۔ پہاڑوں کو اس سے تشبیہ دی جارہی ہے کیونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں معنی ہے پہاڑ سختی کے بعد نرم ہو جائیں گے اور اجتماع کے بعد بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے پہاڑ جمع شدہ ریت کی طرح ہو جائیں گے، پھر دھنی ہوئی رنگدار اون کی طرح ہو جائیں گے، پھر بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ کوئی جگری دوست اپنے دوست سے حال نہیں پوچھے گا کیونکہ ہر ایک انسان اپنے ذاتی مسائل میں ہی مصروف ہوگا، یہ قتادہ کا قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ (عبس) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام یوں ہے لا يَسْئَالُ حَمِيمٌ عن حميم حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عام قرأت یسئال یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ شیبہ اور بزی نے عاصم سے ولا يُسْئَالُ قرأت نقل کی ہے کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی کسی دوست سے اس کے دوست کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی قریبی رشتہ دار سے اس کے قریبی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ہر ایک انسان سے اس کے اپنے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ (المدثر)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92 2۔ ایضاً

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَ
اَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــــْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝

''دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچا لے''۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ وہ انہیں دکھائی دیں گے قیامت میں کوئی مخلوق نہیں ہوگی مگر وہ اپنے ساتھی کے سامنے ہوگی (1)، وہ جن ہو یا انسان ہو۔ انسان اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنے قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ کو دیکھے گا۔ وہ اس کا حال نہیں پوچھے گا اور نہ اس سے بات کرے گا کیونکہ وہ اپنی ہی پریشانیوں میں مگن ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک گھڑی کے لیے ایک دوسرے سے متعارف ہوں گے (2)۔ وہ اس گھڑی کے بعد ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے: لوگ اپنی جان پہچان والے لوگوں سے بھاگیں گے کیونکہ انہیں خوف ہوگا کہ جو زیادتیاں انہوں نے کی ہیں ان کے بارے میں ان سے مطالبہ ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر يُّبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر کفار کے لیے ہوگی اور ھم ضمیر اقرباء کے لیے ہوگی۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں کو کفار دکھائے گا۔ اس اعتبار سے واؤ ضمیر مومنین کے لیے اور ھم ضمیر کفار کے لیے ہوگی۔ ابن زید نے کہا: وہ کفار کو جہنم میں دکھائے گا جنہوں نے انہیں دنیا میں گمراہ کیا تھا۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ واؤ ضمیر پیروکاروں کے لیے اور ھم ضمیر قائدین کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم اور مقتول کو قاتل دکھائے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُّبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی فرشتے ان کے اقوال پہچانیں گے اور ہر فریق کو اس طرف ہانک کر لے جائیں گے جو ان کے مناسب ہے۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ پر کلام مکمل ہوئی، پھر فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ یعنی کافر تمنا کرے گا (4) لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے وہ چیز فدیہ کر دے جو دنیا میں اس کے لیے سب سے عزیز تھی (5)، خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا، پھر ان کا ذکر کیا اور فرمایا: بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــــْٔوِيْهِ ۝ صَاحِبَتِهٖ سے مراد اس کی بیوی ہے۔ فَصِيْلَتِهِ سے مراد اس کا قبیلہ ہے جو اس کی مدد کرتا تھا؛ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد اس کی ماں ہے جو اس کو پالتی تھی؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (6)؛ اشہب نے اسے اس سے روایت کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: فصیلہ، قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے (7)۔ ثعلب نے کہا: وہ اس کے قریبی آباء واجداد ہیں۔ مبرد نے کہا: فصیلہ سے مراد جسم کے اعضاء کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ انسان کی نسل کو فصیلہ کہتے ہیں۔ اسے اپنے بعض کے ساتھ تشبیہ دی۔ قبیلہ اور اس کے غیر میں گفتگو سورۂ حجرات میں گزر چکی ہے۔ یہاں ایک مسئلہ ہے: جب اس نے اپنا مال فصیلہ پر وقف کیا یا فصیلہ کے لیے وصیت کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

جس نے عموم کا دعویٰ کیا اس نے اس لفظ کو عشیرہ پر معمول کیا جس نے اسے خصوص پر محمول کیا(1)۔ اس نے اسے آباء پر محمول کیا، قریبی پھر قریبی۔ پہلی تعبیر نطق میں اکثر مراد لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ تُـْٔوِيْهِ کا معنی ہے وہ اس سے ملاتا ہے اور اگر خوف ہو تو اسے امن دیتا ہے۔

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وہ پسند کرتا ہے کہ اگر ان کو بطور فدیہ دینے سے نجات ملے تو وہ فدیہ کے طور پر دے دے ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝ پھر وہ فدیہ اسے خلاصی دے۔ یہاں اضمار ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام: 121) اصل میں إنّ أكله لفسق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ فاء کے ساتھ جواب کا تقاضا کرتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝ (القلم) اس میں فَيُدْهِنون کا جواب ہے۔ اس آیت میں جواب ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝ ہے کیونکہ یہ حروف عطف میں سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یودّ المجرم لویفتدی فینجیه الافتداء ہے۔

كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

''لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا، بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو، وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا''۔

كَلَّا، کلا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے اور لا کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں امور کا احتمال رکھتا ہے۔ جب یہ حقا کے معنی میں ہو تو کلام يُنْجِيْهِ پر مکمل ہوگی اور جب یہ لا کے معنی میں ہو تو کلام اسی پر مکمل ہوگی، یعنی فدیہ دینا اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں دے گا، پھر فرمایا: اِنَّهَا لَظٰى۝ یعنی یہ جہنم ہے جس کی آگ بھڑک رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى۝ (اللیل) لَظٰى یہ تلظی سے مشتق ہے اور إلتظاء النار سے مراد آگ کا بھڑکنا ہے اور تلظیها سے مراد بھی اس کا بھڑکنا ہے۔ اس کی اصل لظظ ہے یعنی عذاب کے دائمی ہونے کی وجہ سے وہ دائمی ہوگی اس کی ایک ظاء کو یاء سے بدل دیا تو لَظٰى باقی رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کے طبقات میں سے یہ دوسرا گڑھا ہے۔ یہ اسم مونث معرفہ ہے، اس لیے یہ غیر منصرف ہوگا۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى۝ ابوجعفر، شیبہ، نافع اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں اعمش، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی نے نَزَّاعَةٌ کو مرفوع پڑھا ہے۔ ابوعمرو نے عاصم سے نَزَّاعَةً کو منصوب نقل کیا ہے جس نے اس لفظ کو رفع دیا ہے اس کے نزدیک اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) لَظٰى کو ان کی خبر بنایا جائے اور نَزَّاعَةٌ سے پہلے ھی ضمیر مبتدا محذوف ہو۔ اس صورت میں لَظٰى پر وقف مستحسن ہوگا۔ (۲) لَظٰى اور نَزَّاعَةٌ دونوں ان کی خبریں ہوں جس طرح تو کہتا ہے: انه خلق مخاصم (۳) نَزَّاعَةٌ، لَظٰى کا بدل ہو اور لَظٰى ان کی خبر ہو۔ (۴) لَظٰى، ان کے اسم سے بدل ہو اور نَزَّاعَةٌ، ان کی خبر ہو۔ (۵) انها کی ضمیر ضمیر قصہ ہو لَظٰى مبتدا ہو اور نَزَّاعَةٌ مبتدا کی خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی إنّ القصه والخبر لظی، نزاعة للشوی۔ جس نے نَزَّاعَةً کو نصب دی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ لظی پر وقف کرے اور نَزَّاعَةً کو لظی سے الگ کر کے نصب دے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1858

کیونکہ یہ نکرہ ہے جو معرفہ کے ساتھ متصل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حال موکدہ ہونے کی بنا پر منصوب ہو جس طرح فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس معنی کی بنا منصوب ہوا نتھا تتلظى نَزَّاعَةً یعنی اس حال میں کہ وہ چمڑے کو ادھیڑنے والی ہے۔ اس میں عامل وہ معنی ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے، وہ تلظی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو اس بنا پر کہ یہ مکذبین کی حالت بیان کر رہا ہو جبکہ ان کے حال کی خبر دی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماقبل سے قطع کرنے کے ساتھ اسے نصب دی گئی ہو جس طرح تو کہتا ہے: مررت بزید العاقل الفاضل نصب کی بھی یہ پانچ صورتیں ہیں۔ شوی یہ شواۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد سر کی جلد ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

قالت　قُتَيْلَةُ　مالَهُ　قد　جُلِّلَتْ　شَيْبًا　شَوَاتُهُ(1)

قتیلہ نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے اس کے سر کی چمڑی سفید بالوں کی وجہ سے معزز ہو گئی ہے۔

صحاح میں ہے: شوی یہ شواۃ کی جمع ہے جس کا معنی سر کی چمڑی ہے (2)۔ شوی سے مراد انسانوں کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور سر ہیں اور ہر وہ عضو جس پر زخم لگنے سے قتل واقع نہ ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رماہ فاشواہ اس نے اسے تیر مارا اور ایسی جگہ نہ لگا جو اس کو قتل کر دیتا۔ ہذلی نے کہا:

فإنّ من القول التی لا شَوَى لها

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو خطا نہیں جاتیں بلکہ ٹارگٹ پر جا لگتی ہیں اور قتل کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اعشیٰ نے کہا:

قالت　قُتَيْلَةُ　مالَهُ　قد　جُلِّلَتْ　شَيْبًا　شَوَاتُهُ(3)

ابو عبید نے کہا: ابو خطاب اخفش نے ابو عمرو بن علاء کے سامنے یہ شعر پڑھا تو ابو عمر نے اسے کہا: تو نے اس میں تصحیف کی ہے۔ یہ شواتہ کی جگہ سراتہ ہے۔ ابو خطاب خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ہمیں کہا: بلکہ اس نے اس میں تصحیف کی ہے۔ بے شک اصل میں شواتہ ہی ہے۔ شوی الفرس سے مراد اس کے پاؤں ہیں کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: عَبْل الشوی مضبوط پاؤں والا۔ یہ لفظ سر کے لیے نہیں بولا جاتا کیونکہ انہوں نے گھوڑے کی صفت یوں بیان کی: اسالۃ الخدین وعِتْقِ الوجہ اس سے مراد اس کی رقت ہے۔ شوی سے مراد ادنیٰ درجے کا مال ہے۔ شوی سے مراد ایسی شی ہے جو کم درجہ کی اور تھوڑی ہو۔ ثابت بنانی اور حضرت حسن بصری نے کہا نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی سے مراد ہے چہرے کی عزت والی جگہوں کو بھون دینے والی (4)۔ ابو العالیہ نے کہا: شوی سے مراد چہرے کے محاسن ہیں۔ قتادہ نے کہا: خلقت کے مکارم اور اس کی اطراف ہیں۔ ضحاک نے کہا: وہ گوشت اور جلد کو ہڈیوں سے الگ کر دے گی یہاں تک ان میں سے کوئی چیز نہ چھوڑے گی۔ کسائی نے کہا: اس سے مراد جوڑ ہیں۔ ایک امام نے کہا: اس سے مراد چاروں پائے اور چمڑا ہے۔

ابو صالح نے کہا: ہاتھوں اور پاؤں کے اطراف (5)۔ شاعر نے کہا:

إذا　نظرتُ　عرفتَ　الفخر　منها　وعينيها　ولم　تعرف　شَواها

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 93　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 83　5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 93

جب تو دیکھے گا تو اس سے اور اس کی آنکھوں سے فخر پہچان لے گا اور تو اس کی اطراف کو نہیں پہچانے گا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: شویٰ کا معنی کھوپڑی ہے (1)۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی ۝ دنیا میں جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے روگردانی کی اور ایمان سے پھر لظیٰ اسے اپنی طرف کھینچے گی۔ اس کا بلانا یوں ہوگا: اے مشرک! میری طرف آ۔ اے کافر! میری طرف آ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ فصیح زبان سے کافروں اور منافقوں کو بلائے گی۔ اے کافر! میرے طرف آ۔ اے منافق میری طرف آ۔ پھر وہ انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ ثعلب نے کہا: تدعو کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: دعاک اللہ اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے۔ خلیل نے کہا: یہ تعالوا کی طرح دعوت نہیں ہوگی بلکہ اس کی انہیں دعوت یہ ہوگی کہ وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داعی، جہنم کے داروغے ہوں گے۔ ان کی دعوت کو جہنم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی جس نے پیٹھ پھیری اور اس سے روگردانی کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، گویا جہنم ان کو بلانے والی ہے (2)؛ اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

ولقد هبطنا الوادِيَيْن فواديًا   يدعو الأنيس به العغيض الأبكمُ

ہم دو وادیوں میں اترے ان میں سے ایک وادی ایسی تھی کہ مکھی اس سے انس رکھنے والے کو دعوت دے رہی تھی۔ الحضیض الأبکم سے مراد مکھی ہے، وہ دعوت نہیں دیتی اس کے پروں کی بھنبھناہٹ نے اس پر آگاہ کیا اور اس کی طرف دعوت دی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول حقیقت پر مبنی ہے جس کی وضاحت آیات قرآنیہ اور اخبار صحیحہ سے گزر چکی ہے۔ قشیری نے کہا: لظیٰ کی دعوت اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس میں زندگی پیدا کر دے گا جب وہ دعوت دے گی قیامت کے روز خارق للعادۃ امور کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

وَ جَمَعَ فَاَوْعٰی ۝ مال کو جمع کیا اور اسے برتن میں محفوظ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روک لیا پس وہ جمع کرنے والے بھی ہیں اور منع کرنے والے بھی ہیں۔ حکم نے کہا: عبد اللہ بن حکیم اپنے تھیلے کا منہ نہ باندھتے تھے وہ کہتے میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَ جَمَعَ فَاَوْعٰی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝

"بیشک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل"۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ یہاں انسان سے مراد کافر ہے (3)؛ یہ ضحاک سے مروی ہے۔ لغت میں ھلع سے مراد شدید حرص، بری طرح جزع فزع اور فحش تریں اسلوب (4)، اسی طرح قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے اس کا باب یوں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 195   2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 93   3۔ ایضاً   4۔ ایضاً

چلتا ہے هَدَعَ یَهْدَعُ فهو هَلِعٌ و هَلُوعٌ۔ یہ کثرت کے معنی پر دال ہے اس کا معنی ہے وہ خیر و شر پر صبر نہیں کرتا یہاں تک دونوں صورتوں میں ایسا کام کرتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد اندرونی تنگی اور غم ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو سیر نہ ہوتا ہو۔ منوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال پائے تو اللہ تعالیٰ کا حق روک لے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا وہ اس چیز کو پسند کرتا ہو جو اسے خوش اور راضی کرے اور اس سے دور بھاگتا ہے جو اسے ناپسند ہو اور اس کو ناراض کرے (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کیا کہ جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے اس کو خرچ کرے اور جس کو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر کرے۔ ابو عبید نے کہا: ہلوع وہ شخص ہوتا ہے جب اسے خیر پہنچتی ہے تو وہ شکر بجا نہیں لاتا اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتا؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ ثعلب نے یہ بھی کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہلوع کی تفسیر بیان کی ہے وہ وہ شخص ہے جب اسے شر پہنچتی ہے تو شدید جزع فزع کا اظہار کرتا ہے اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے اسے روک لیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندے کو جو عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے برا ایسا بخل ہے جو بے قرار کرنے والا ہو اور ایسی بزدلی ہے جو دل نکالنے والی ہو'' (3)۔ عرب کہتے ہیں: ناقةٌ ھلواعةٌ و ھلواعٌ۔ جب وہ تیز رفتار ہو اور ہلکی ہو۔ شاعر نے کہا:

صكاءُ ذِعْلِبَةٌ إذا استدبرتَها ... حَرَجٌ إذا استقبلتَها هِلواعُ

صکاء یہ اونٹنی کا وصف نہیں بلکہ شتر مرغ کا وصف ہے اونٹنی کو شتر مرغ سے تشبیہ دی ذعلب اور ذعلبہ سے مراد تیز رفتار اونٹنی ہے، ہلواع بھی تیز رفتار اونٹنی کے لئے بولا گیا ہے۔

جَزُوْعًا اور مَنُوْعًا دونوں ہلوع کی صفت ہیں اس شرط پر کہ یہ دونوں اذا سے ارادہ میں مقدم ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کان مضمرہ کی خبر ہیں۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

''بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں، اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 452 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، باب فی الجراءة والجبن، حدیث نمبر 2150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور محروم کے لئے، اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزا کی، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں"۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ یہ اس پر دال ہے کہ اس سے ماقبل کلام کفار کے بارے میں ہے۔ انسان اسم جنس ہے اس کی دلیل استثناء ہے جو اس کے بعد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (العصر) نخعی نے کہا: مصلین سے مراد فرض نماز ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جو نماز کو وقت پر ادا کرتے ہیں جہاں تک اس کو ترک کرنے کا تعلق ہے تو یہ کفر ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عام مومن ہیں کیونکہ وہ زیادہ جزع فزع پر غالب آ جاتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے رب پر اعتماد اور یقین ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ یعنی اپنے وقت پر نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا: یہی وہ لوگ ہیں جب نماز ادا کرتے ہیں تو دائیں اور بائیں متوجہ نہیں ہوتے۔ دائم کا معنی ساکن ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: نَهىٰ عن البول فی الماء الدائم کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا۔ ابن جریج اور حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو نفلی نماز زیادہ پڑھتے ہیں(2)۔

وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے؛ یہ قتادہ اور ابن سیرین کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صلہ رحمی کرنا اور بوجھ اٹھانا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حق کی صفت معلوم سے لگائی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ معلوم نہیں، وہ تو ضرورت کے مطابق ہوتا ہے جبکہ اس میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝ سورۂ ذاریات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ یعنی یوم جزا، مراد قیامت کا دن ہے۔ اس بارے میں بحث سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ وَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو جھٹلایا وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی بھی عذاب سے امن میں نہیں بلکہ ہر کسی پر واجب ہے کہ اس سے ڈرے۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ اس بارے میں گفتگو سورۂ مومن کی آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ خواہ وہ گواہی انہیں قریبی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 6، صفحہ 1859　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 95

رشتہ دار یا دور کے رشتہ دار کے خلاف دینی پڑے۔ وہ حاکم کے پاس گواہی دیتے ہیں (1)، وہ اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرتے ہیں۔ شہادت اور اس کے احکام کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گواہیاں یہ ہیں إن الله واحد لا شریك له وأن محمدا عبده ورسوله، لِاَمٰنٰتِہِمْ واحد کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے؛ یہ ابن کثیر اور ابن محیصن کی قرأت ہے۔ الامانة اسم جنس ہے۔ اس میں دین کی امانات داخل ہو جاتی ہیں۔ شرعی احکام بھی امانتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بندوں کو امین بنایا ہے۔ اس میں بندوں کی امانتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ عباس دوری نے ابو عمرو اور یعقوب سے بشھاداتھم جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بشھادتھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مصدر بعض اوقات مفرد کا معنی دیتا ہے اگرچہ جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان) فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق: 2) بِشَهٰدٰتِهِمْ واحد کے صیغہ پر دال ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ قتادہ نے کہا: عَلٰى صَلَاتِهِمْ سے مراد نماز کے وضو، اس کے رکوع اور اس کے سجدہ کی محافظت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: مراد نفلی نماز ہے۔ سورۂ مومنون میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ دوام، محافظت کے خلاف ہے۔ اس پر ان کے دوام کا مطلب ہے کہ وہ اس کی ادائیگی پر محافظت کرتے ہیں اس میں کوئی نقص واقع نہیں کرتے اور اس کی ادائیگی میں غفلت کر کے کسی اور شغل میں مصروف نہیں ہوتے۔ اس پر محافظت کا مطلب ہے اس کا وضو اچھی طرح کرتے ہیں، وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اس کے ارکان کو قائم کرتے ہیں اور اس کی سنتوں اور آداب کو مکمل کرتے ہیں اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ ضائع ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کریں۔ دوام نفس نماز کی طرف راجع ہے اور محافظت کا تعلق اس کے احوال سے ہے اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی کرامتوں کے ساتھ انہیں عزت دی ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝
اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

"پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگتے چلے آ رہے ہیں، ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں"۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ اخفش نے کہا (2): مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے جلدی جلدی آتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا:

بمكة أهلها ولقد أراهم إليه مهطعين إلى السماع

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 453
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 96

مکہ مکرمہ میں اس کے مکین ہیں، میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ بات سننے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ معنی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جو حکم دیتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کو کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے میں جلدی کرتے ہیں تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائیں۔ عطیہ نے کہا: مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: وہ تعجب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جلدی کرتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنی گردنوں کو لمبا کیے ہوتے ہیں اور لگا تار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے جا رہے ہیں۔ یہ ثمن کی نظر ہوتی ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ آیت استہزاء کرنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تو ہوتے مگر ایمان نہ لاتے قِبَلَكَ کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ⊙ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں اور بائیں جانب سے حلقے بناتے ہوئے اور جماعت در جماعت۔ عزین کا معنی ہے مختلف جماعتیں؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا: مالی أراكم عِزِين ألا تَصُفُّون كما تَصُفُّ الملائكةُ عند ربها، قالوا وكيف تَصُفُّ الملائكةُ عند ربها؟ قال: يُتِمُّون الصفوف الأوَل ويتراصُّون في الصف (1) امام مسلم اور دوسرے علماء نے اسے روایت کیا ہے۔

فرمایا: کیا وجہ ہے میں تمہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھتا ہوں کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ فرمایا: وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے مل کر بیٹھتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

تَرَانَا عِنْدَهُ وَاللَّيْلُ دَاجٍ عَلَى أَبْوَابِهِ حِلَقًا عِزِينَا (2)

تو ہمیں اس کے ہاں اس کے دروازوں پر مختلف حلقوں کی صورت میں دیکھتا ہے جبکہ رات انتہائی تاریک ہوتی ہے۔

راعی نے کہا:

أخليفةَ الرحمن إنّ عشيرتي أمسى سَرَاتُهم إليك عِزِينا

اے رحمن کے خلیفہ! بے شک میرا خاندان گروہ در گروہ تیری طرف راتوں کو چلتے ہوئے آتا ہے۔

کمیت نے کہا:

ونحنُ وجَندلٌ باغٍ تَرَكْنا كَتائبَ جَندَلٍ شتّى عِزِينا

ہم نے جندل کے لشکروں کو مختلف گروہوں کی صورت میں چھوڑا جبکہ جندل بغاوت کرنے والا تھا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، تسوية الصفوف واقامتها، جلد 1، صفحہ 181
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 97

عزین کا واحد عزۃ ہے۔ واؤ، نون کے ساتھ اس کی جمع بنائی گئی تا کہ اس سے جو حرف حذف ہے اس کا یہ عوض بنا جائے۔ اصل میں یہ عزھۃ تھا۔ اس میں وہی تعلیل جاری ہوگی جو سنۃ میں جاری ہوئی، اس کے نزدیک جس نے اس کی اصل سنھۃ بنائی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل عزوۃ ہے۔ یہ عزاہ، یعزوہ سے مشتق ہے۔ جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ ان جماعتوں میں سے ہر ایک دوسری کی طرف منسوب ہے۔ یہاں جو حرف حذف ہے وہ واو ہے۔ صحاح میں اس طرح ہے عزۃ سے مراد لوگوں کا ایک فرقہ ہے، ھاء، یاء کا عوض ہے۔ اس کی جمع عِزًی، فِعَل کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع عِزون اور عُزون کے وزن پر آتی ہے۔ انہوں نے اس کی جمع عِزات نہیں بنائی جس طرح انہوں نے ثُبات کہی۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے فی الدار عزون یعنی لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ یہ مُهْطِعِيْنَ کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عِزِيْنَ کے متعلق ہو جس طرح تیرا قول ہے: أخذته عن زید۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ مفسرین نے کہا: مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنتے، اس کو جھٹلاتے، آپ پر جھوٹ بولتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے استہزاء کرتے اور کہتے: اگر یہ جنت میں داخل ہوئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اگر انہیں جنت کی کوئی چیز دی گئی تو ہمیں ان سے زیادہ چیز دی جائے گی۔ تو یہ آیت اَيَطْمَعُ نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استہزاء کرنے والوں کے پانچ گروہ تھے۔

حضرت حسن بصری، حضرت طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اَنْ يَّدْخُلَ قرأت کی ہے، یاء پر زبر اور خاء پر پیش ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ مفضل نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

كَلَّا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے پھر نئے سرے سے کلام شروع کی اور فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑا سے پیدا کیا گیا ہے جس طرح اس کی ساری جنس کو پیدا کیا گیا۔ انہیں کوئی فضیلت نہیں جس کے باعث وہ جنت کے مستحق بنیں، جنت کا مستحق تو ایمان، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مسلمان فقراء کا مذاق اڑایا کرتے اور ان پر تکبر کرتے تو فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ انہیں تکبر کرنا مناسب نہیں۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اے انسان! تو ایک گندے قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے، تو اللہ سے ڈر۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مطرف بن عبد اللہ بن شخیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خز (ریشم) کی چادر اور جبہ میں اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے اللہ کے بندے! یہ کیسی چال ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے؟ مہلب نے مطرف سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ فرمایا: ہاں تیرا آغاز گندے نطفہ سے ہے اور تیری انتہاء بدبودار لاشہ ہے، اس کے درمیان تو غلاظت کو اٹھائے ہوئے ہے۔ مہلب چلا گیا اور اس چال کو ترک کر دیا۔ محمود وراق نے اسی مضمون کو اشعار میں بیان کیا ہے:

عَجِبْتُ مِن مُعْجَبٍ بصورته　　وكان فی الأصل نطفةً مَذِرَةً
وهو غدًا بعد حُسْنِ صورته　　يصيرُ فی اللحد جيفةً قَذِرَةً

وهو على تِيهه ونَخْوته مابين ثوبيه يحمل العَذِرَة

میں اس آدمی پر متعجب ہوا جس کی صورت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اصل میں وہ ایک گندا نطفہ ہے۔ وہ کل حسن صورت کے باوجود لحد میں بدبودار لاشہ ہوگا۔ وہ اپنے تکبر اور نخوت کے باوجود اپنے کپڑوں کے درمیان غلاظت اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

هل في ابن آدم غيرَ الراس مَكْرُمَةٌ وهو بِخَمسٍ من الأوساخ مضروب

أنفٌ يسيل وأُذُنٌ ريحها سَهِكٌ والعين مُرْمَصَة والثغر ملهوب

يابن التراب ومأكول التراب غدًا قَصِّرْ فإنك مأكول و مشروب

کیا سر کے علاوہ انسان میں عزت والی شی ہے جبکہ اس میں پانچ میل والی چیزیں ہیں۔ ناک بہتی ہے، کان کی بو ناپسندیدہ ہے، آنکھ میں کیچڑ ہوتا ہے اور دانتوں پر میل ہے۔ اے مٹی سے جنم لینے والے! اور کل جس کو مٹی کھا جائے گی! اپنے آپ کو پست رکھ تجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس مقصد کے لیے جسے وہ جانتے ہیں۔ وہ امر، نہی، ثواب اور عقاب ہے جس طرح شاعر کے قول میں من أجلیه ہے؛ یہ اعشیٰ کا قول ہے: أأزْمَعْتُ من آل لَيْلى ابتكارًا کیا تو نے آل لیلی کے لیے جلدی کا قصد کیا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں''۔

فَلَآ اُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یہاں لا زائدہ ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ سورج کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کے رب کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابوحیوہ، ابن محیصن اور حمید نے بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ واحد کے صیغہ کے ساتھ قرأت کی ہے۔

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ہلاک کرنے، انہیں لے جانے اور فضل، اطاعت اور مال میں بہتر لوگوں کو لانے پر قادر ہیں۔ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ کوئی چیز ہم سے فوت نہیں ہو سکتی اور ہم جس امر کا ارادہ کرلیں، وہ ہمیں عاجز نہیں کرسکتا۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

''سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات کریں اپنے اس

دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

انہیں چھوڑ دو کہ اپنے باطل میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں۔ یہ کلام وعید کے طریقہ پر ہے۔ ابن محیصن، مجاہد اور حمید نے اسے حَتّٰى يَلْقَوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُوْنَ پڑھا ہے۔ یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں''۔

يَوْمَ اس یوم سے بدل ہے جو اس سے پہلے ہے۔ عام قرأت يَخْرُجُوْنَ ہے یاء پر فتحہ اور راء پر ضمہ ہے کیونکہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ سلمی، مغیرہ اور اعشیٰ نے عاصم سے يُخْرَجُوْنَ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الأجداث سے مراد قبریں ہیں (1)۔ اس کا واحد جدث ہے۔ سورۂ یاسین میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سِرَاعًا جب وہ دوسرے نغمہ کو سنیں گے تو بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جلدی جلدی نکلیں گے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ عام قرأت نون کے فتحہ اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ ابن عامر اور حفص نے نون اور صاد کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ عمرو بن میمون، ابو رجاء اور دوسرے علماء نے نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ نَصْب اور نُصْب دونوں لغتیں ہیں جس طرح ضَعف اور ضُعف۔ جوہری نے کہا: نَصْب سے مراد وہ چیز ہے جسے کھڑا کیا جائے اور الله تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح نُصْب ہے، بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

وذَا النُّصُب المنصوبَ لا تَنْسُكَنَّهُ لعافِيَةٍ واللهَ رَبَّكَ فاعْبُدَا

یہاں فاعبدن کا ارادہ کیا اور الف پر وقف کیا جس طرح تو کہتا ہے: رایت زیدا اس کی جمع انصاب آتی ہے۔ شاعر کا قول: وذا النُّصُب یہ إیاک وذا النُّصُب کے معنی میں ہے۔ نصب سے مراد شر اور بلاء ہے۔ شعر کا ترجمہ: نصب کیے ہوئے بت سے بچ کسی عافیت کے حصول کے لیے اس کی عبادت نہ کر، الله تعالیٰ تیرا رب ہے تو اسی کی عبادت کر۔ اسی معنی میں الله تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ (ص) اخفش اور فراء نے کہا: نُصُب یہ نَصَب کی جمع ہے جس طرح رَهَن کی جمع رُهُن ہے۔ أنصاب یہ نُصُب کی جمع ہے، یہ جمع کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نُصْب اور أنصاب دونوں ایک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصب یہ نصاب کی جمع ہے۔ یہ ایسا پتھر یا بت ہے جس پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے؛ اسی معنی میں الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: 3) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَصْب، نُصْب اور نُصُب ایک معنی میں ہیں جس طرح عَمْر، عُمْر اور عُمُر ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلٰى نُصُبٍ غایت تک۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے۔ کلبی نے کہا: مراد ہے کھڑی کی گئی چیز جیسے جھنڈا وغیرہ (2)۔ حضرت حسن بصری

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 97 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 455

نے کہا: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اپنے ان بتوں کی طرف جلدی کرتے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں (1)۔ ان کا پہلا شخص آخری کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

یُوْفِضُوْنَ وہ جلدی کرتے ہیں۔ ایفاض کا معنی جلدی کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

فوارس ذُبْیانَ تحت الحدید کالجنِّ یُوفضن من عَبْقَرِ

ذبیان کے شاہسوار لوہے کے نیچے جنوں کی طرح ہیں جو عبقر (جنوں کا علاقہ) سے تیزی سے نکلتے ہیں۔

عبقر ایسا علاقہ ہے عرب جس کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کی سرزمین ہے۔

لیث نے کہا: وفضت الإبل تَفِض وفضًا اونٹ تیزی سے چلے۔ اوفضها صاحبها ان کے مالکوں نے انہیں تیز چلایا۔

ایفاض متعدی ہے آیت میں جو لفظ لازم ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: وفض، أوفض اور استوفض کا معنی جلدی کرنا ہے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ

"جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر ذلت، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا"۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ آنکھیں جھکی ہوئی اور ذلیل ہیں۔ انہیں کیونکہ عذاب کی توقع ہے اس لیے وہ اپنی نظروں کو اوپر نہیں اٹھاتے۔ **تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ** ان پر ذلت چھا جائے گی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد چہروں کی سیاہی ہے۔ رہق سے مراد چھا جانا ہے اسی سے غلام مراہق ہے جب احتلام کا وقت قریب ہو جائے اور وہ چھانے والا ہو۔ رَہِقَہ، یَرْہَقُہ، رَہَقًا اس پر چھا گیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ** (یونس: 26) **ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ** دنیا میں انہیں ڈرایا جاتا تھا کہ ان کے لیے عذاب ہے۔ فعل ماضی کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا وہ ضرور بوکر رہے گا۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 197 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 455